فکر و نظر ـــــ اسلام آباد　　جلد: ۳٦　　شمارہ: ۳، ۴

مضامین قرآن کے اشارے

عبدالعزیز عرفی ☆

قرآن معظم کے حروف اور الفاظ تو سب ہی نبی محتشم ﷺ کے نطق اطہر سے عطا ہوئے ہیں۔(۱) تاہم یہ کلام ہے رب جلیل و کبیر، خبیر و علیم کا جو خلاق موجودات ہے۔ اسی(۲) کی تدبیر اور اسی کے علم سے کائنات متحرک ہے اور اسی کا علم ہر ذرہ کائنات پر محیط بھی ہے۔ اس طرح مضامین قرآن جلی اور خفی سب اسی کے علم کے مظہر ہیں۔ معنوی طور پر بھی اور تخلیقی اعتبار سے بھی۔

عقل پرستوں کے لیے یہ بات بعید از عقل ہی رہی ہے، چونکہ عقل مخلوق ہونے کے ناطے خود ہی محیط ہے اور اپنے خالق کے قبضہ اختیار میں بھی ہے۔ مگر اپنی تخلیقی نوعیت کے سبب حدود کائنات میں دسترس بھی رکھتی ہے۔ اسی لیے کائنات کی پنہائیوں میں عقل ہی پر بھروسہ کرنے والے فریب خوردہ بھی ہوئے اور ماورائے عقل باتوں سے محروم ہی رہے۔ اس طرح ان کے تفکرات نہ ہم آہنگ ہوئے اور نہ دوام شناسا۔ مضامین قرآن کی بات ان سے جدا ہی رہی ہے۔ چونکہ وہ ذات واحد کے علم سے منور ہونے کے سبب منفرد آہنگ، بے مثال ربط اور نہ ختم ہونے والے تسلسل کے حامل ہیں۔(۳)

مضامین قرآن کا ادراک محض عقل کے سہارے ممکن بھی نہیں ۔ ہاں ان کی تفہیم کے لیے عقل ناگزیر ہے۔ اس کی غایت تخلیق بھی یہی ہے۔ عقل جب اپنے خالق کی

☆　معروف محقق و ایڈووکیٹ، کراچی

منشاء اور رضا کے تابع ہو جاتی ہے تو کائنات میں اس کی دسترس فطرت کی پنہائیوں کے در وا کرتی چلی جاتی ہے۔ خلاق موجودات سے شناسا کرتی ہے اور بارگاہ خداوندی سے قرب کے ساماں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں " افلا تعقلون اور افلا تفکرون "[۴] کی تکرار اس جانب اشارے کرتی نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم کی اصطلاحیں اس جانب بھی بین اشارہ ہیں کہ عقل قرآن فہمی اور اس کے موضوعات سے ادراک حاصل کرنے کا ذریعہ تو ہے اس کی خالق نہیں۔ یہ قرآنی اشارہ وہ خط امتیاز بھی ہے جو تخلیق قرآن اور ماسوا قرآن جملہ تخلیقی کتب کے درمیان قائم چلا آرہا ہے۔ اس خط تفریق کے ناشناس قرآن کی غایت اور مضامین قرآن کی افادیت سے محروم ہی رہے ہیں۔

مضامین قرآن خلاق موجودات کی ذات، اس کی تدبیر کائنات اور کائنات کی جزئیات کے مظہر ہیں۔ اسی کے علم سے عبارت ہوئے ہیں اور اسی کا علم ان پر محیط ہے۔ عقل تو ان کے فہم و ادراک کا ذریعہ بنتی ہے یا کائنات کی بے کراں پنہائیوں سے بندے کو روشناس کراتی ہے تاکہ وہ ان تک دسترس حاصل کرے جو روز ازل سے اس کا مقدر ہیں۔ اس میں کسی طرح کی تخصیص نہیں چونکہ کائنات کی جملہ[۵] اشیاء کا علم تو حضرت آدم علیہ السلام کو ہی ودیعت ہوا تھا۔ مسلم اور غیر مسلم، کالے اور گورے، مشرقی و غربی، غرض سب ہی تو ان کی اولاد ہیں۔

مضامین قرآن زمان و مکان کے بھی پابند نہیں وہ تو کائنات کی لامحدود وسعتوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ انسان اپنی عقل ہی کے ذریعے ہر دور میں ان سے فہم و ادراک پاتا رہا ہے اور ان میں مذکور کائنات کی جزئیات سے کسی نہ کسی ہیئت میں استفادہ بھی کرتا رہا ہے۔ اس کی کاوشیں علم نجوم بھی کہلائیں، علم فلکیات بھی اور علم تسخیر کائنات بھی۔ اس طرح سب علوم ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ درحقیقت یہ تو ایک ذہنی و فکری اور علمی دھارا ہے جو روزازل سے روز آخر کی جانب رواں دواں ہے۔ انسانیت نے بلوغیت پائی تو خاتم النبیین سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم اس کی شناخت بن کر آئے۔ آپؐ کے ارشادات عالیہ اس کے ترجمان ہوئے اور آپ ہی کی فکر اس کی آئینہ دار قرار پائی۔ " لتخرج الناس من الظلمت

الی النور۔(۶) کا مفہوم اسی سمت اشارے کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

مضامین قرآن میں علمی دھارا مرکوز بھی ہے اور اذہان و افکار کے لیے ہنائے تحریک بھی ۔ سورہ الشعراء کی آیت " وانہ لفی زبرالاولین(۷) اس کے تسلسل کی آئینہ دار بھی ہے اور بتدریج منازل کی جانب ایک اشارہ بھی۔ قرآن حکیم سے قبل کتنے صحیفے کب اور کہاں کہاں نازل ہوتے رہے، ان کی بین السطور میں جاری اس دھارے نے کس طرح کن مقامات کو سیراب کیا اور کہاں کہاں نظروں سے اوجھل ہوتا رہا اس کی تفصیلات قرآن میں نہیں ملتیں۔ قرآن تاریخ کی کتاب بھی نہیں۔ وہ تو ان مضامین کو جن کا چرچا اس سے پہلے نازل کی گئی کتب میں ہوتا رہا ہے بصورت اکمل بنی نوع آدم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ بات انسان کی ذہنی و فکری بلوغت کی جانب اشارہ کرتی ہوئی بھی معلوم ہوتی ہے۔ یوں بھی انسان نے یہ علمی مقام تو ایک طویل مسافت کے بعد ہی پایا ہے۔ ہاں ان راہوں کا کسی قدر ضروری تذکرہ حبیب رب کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمودات جمیلہ میں ضرور ملتا ہے۔ آپ کا ارشاد عالی ہے :۔

> " اللہ نے حضرت آدم سے لے کر مجھ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے جن میں سے تین سو پندرہ صاحب کتاب تھے "(۸)

اس ضمن میں ڈاکٹر حمیداللہ کی فکر اور تحقیق قابل غور ہے۔

> " تین سو پندرہ صاحب کتاب نبیوں کے نام نہ تو قرآن مجید میں ہیں اور نہ احادیث میں ان کا ذکر ہے۔ لہذا ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کی تفصیل معلوم کر سکیں۔ صرف چند اشارے ملتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے تھے۔ لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس زبان میں تھے۔ چہ جائیکہ ان کے مندرجات کا علم ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام بھی پیغمبر تھے۔ ان کے متعلق بعض روایات میں ذکر ملتا ہے کہ ان پر بھی چند کتابیں نازل ہوئی تھیں لیکن ان کا بھی اب دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ قدیم ترین نبی، جن کی

طرف منسوب کتاب کا کچھ حصہ ابھی حال ہی میں ہم تک پہنچا ہے، حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ غالباً آپ نے سنا ہوگا کہ فلسطین میں بحر مردار کے پاس بعض غاروں میں کچھ مخطوطے ملے ہیں۔ ان مخطوطوں میں سے ایک کتاب حضرت اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ حال ہی میں اس کتاب کے کچھ ترجمے انگریزی زبان میں شائع ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس بات کا کوئی حتمی و قطعی ثبوت موجود نہیں، لیکن اب تک کی تحقیق کے مطابق ہم اسے قدیم ترین نبی کی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بھی ہمیں کچھ اشارے ملتے ہیں۔ عراق میں "سعدیات" کے نام سے ایک چھوٹا سا فرقہ پایا جاتا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ "ہم حضرت نوح علیہ السلام کی کتاب اور ان کے دین پر عمل پیرا ہیں" ان کا کہنا ہے کہ "ایک زمانے میں حضرت نوح علیہ السلام کی پوری کتاب ہمارے پاس موجود تھی لیکن امتداد زمانہ کے سبب سے اب وہ ناپید ہے۔ اس کے مندرجات صرف چار پانچ سطروں میں ہمارے پاس موجود ہیں جن میں اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے"۔ اس کے بعد ایک اور نبی آئے ہیں جن کی کتاب کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں "صحف ابراہیم و موسیٰ" دو مرتبہ اس طرح کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ ان کی کتاب کے مندرجات اسلامی ادبیات میں تو نہیں البتہ یہودی اور عیسائی ادبیات میں چند سطروں کی حد تک محفوظ ملتے ہیں"۔ (۹)

بہرکیف! صحف سماوی جو بھی قرآن حکیم سے پہلے نازل ہوئے منشائے الٰہی کے مطابق محفوظ نہ رہے یا تحریف زدہ ہونے کے سبب اپنی حقیقی ہیئت سے محروم ہوگئے۔ ہاں ان کے موضوعات کی رمق یا کسی حد تک چمک و دمک ضرور قائم رہی، چونکہ وہی تو علمی دھارے کے نشان تھے جو اس کے تسلسل کا پتہ دیتے رہے۔ اسی حقیقت کی جانب مذکورہ آیت قرآنی میں اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

سورہ الشعراء کی مذکورہ آیت کے مفہوم سے متعلق دو آراء ضرور سامنے آئیں۔ ان کا اعادہ یہاں ضروری نہیں، زیر گفتگو موضوع سے غیر مربوط بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں ربط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس آیۃ مبارکہ کے مفہوم سے قرآن اور صاحب قرآن علیہ الصلوۃ والسلام دونوں ہی کا تذکرہ اخذ کیا گیا۔ اس ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانی رقم طراز ہیں:

> " قرآن کی اور اس کو لانے والے کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ انبیائے سابقین برابر پیش گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف و تبدیلی کے اب خود یہی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین اجمالاً یا تفصیلاً اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، خصوصاً قصص، توحید، رسالت، معاد وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب اور انبیاء والمرسلین کا اتفاق رہا ہے"۔(۱۰)

اس آیہ قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مسٹر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے:

> " اوّلین سے مراد سابقہ انبیاء و رسل ہیں۔ یعنی اس کتاب مقدس کا پہلی کتابوں میں مذکور ہے۔ اللہ کا مرجع حضور ﷺ کی ذات مبارک بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی ہوگا جس رسول کے قلب منور پر یہ کتاب نازل کی گئی۔ اس کے محامد و اوصاف سے سابقہ آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ سب انبیاء نے اپنی امتوں کو حضور کی آمد کی اطلاع دی اور حضور پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی"(۱۱)

بہر حال! مذکورہ آیۃ مبارکہ کا مفہوم مضامین قرآن ہو یا صاحب قرآن یا دونوں پر محیط، ماحصل ایک ہی ہے۔ دونوں میں نہ تفریق روا ہے اور نہ ایک کے بغیر دوسرے کی تفہیم ممکن۔ یوں بھی پہلی آسمانی کتابوں میں ہر دو سے متعلق واضح اشارے ملتے ہیں۔

مضامین قرآن میں توحید کا موضوع قطعی ہیئت میں بیان ہوا ہے۔ یہی بات اس سے منسلک موضوعات یعنی رسالت اور روز قیامت کی بابت بھی کہی جا سکتی ہے۔ لہذا پہلی

آسمانی کتب میں باوجود تحریفات کے ان موضوعات کا تذکرہ نہ صرف اس علمی دھارے کے تسلسل کا مظہر ہے بلکہ مضامین قرآن کے نزول کی بتدریج تائید و تصدیق بھی کی جا سکتی ہے۔

توریت کی پہلی کتاب پیدائش میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارشاد قابل فکر ہے:

"تب یعقوب نے اپنے گھرانے اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ بیگانہ دیوتاؤں کو جو تمہارے درمیان ہیں دور کرو اور طہارت کر کے اپنے کپڑے بدل ڈالو اور آؤ ہم روانہ ہوں اور بیت ایل کو جائیں۔ وہاں میں خدا کے لیے جس نے میری تنگی کے دن میری دعا قبول کی اور جس راہ میں چلا میرے ساتھ رہا مذبح بناؤں گا"۔(۱۲)

توحید کا یہی رنگ زبور میں منقول مناجات میں بھی جھلکتا نظر آتا ہے:

"اے قومو! سب خداوند کی حمد کرو
اے امتو! سب اس کی ستائش کرو
کیونکہ ہم پر اس کی بڑی شفقت ہے
اور خداوند کی سچائی ابدی ہے
خداوند کی حمد کرو"(۱۳)

اے میرے خدا! اے بادشاہ !
میں تیری تمجید کروں گا
اور تیرے نام کو مبارک کہوں گا
میں تجھے ہر روز مبارک کہوں گا
اس کی بزرگی ادراک سے باہر ہے
خداوند سب پر مہربان ہے
تیری سلطنت ابدی سلطنت ہے

خداوند اپنی سب راہوں میں بھی صادق
اور اپنے سب کاموں میں رحیم ہے (۱۴)

اناجیل یوں تو چونتیس رائج الوقت بتائی گئی ہیں۔(۱۵) یہ کئی صدی پہلے کی بات ہے۔ اب تو اناجیل اربعہ ہیں۔ اس انجیل کی نشاندہی تو حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کے لیے بھی ممکن نہیں جو ان پر بارگاہ ربوبیت سے نازل ہوئی تھی وہی ہمارے ایمان کا جزو بھی ہے۔ بہر حال ان میں بھی ان موضوعات کے واضح نشان مل جاتے ہیں جو انجیل کا حصہ تھے اور جن کی دعوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عام کی، اختصار کے پیش نظر مرقس کی انجیل سے اقتباس پیش خدمت ہے:

"تم خدا کے حکم کو ترک کر کے آدمیوں کی روایت کو قائم رکھتے ہو۔ اور اس نے ان سے کہا کہ تم اپنی روایت کو ماننے کے لیے خدا کے حکم کو بالکل رد کرتے ہو"(۱۶)

یوحنا کی انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منقول الفاظ دعوت فکر ہیں:

"مگر میں اپنے بھیجنے والے (خداوند قدوس) کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ تو کہاں جاتا ہے؟ بلکہ اس لیے کہ میں نے یہ باتیں تم سے کہیں تمہارا دل غم سے بھر گیا، لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (ختمی مرتبت رحمۃ للعلمینؐ) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا"۔(۱۷)

اس اقتباس میں توحید کا تذکرہ بھی ہے اور سلسلہ نبوت کی جھلک کے ساتھ کافۃ للناس علیہ الصلوۃ والسلام کی آمد کی طرف واضح اشارہ بھی۔ برناباس(۱۸) کی انجیل میں تو آپؐ کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی بناء پر وہ طاق نسیاں کر دی گئی۔ مگر اس کے مستند نسخے تو برٹش میوزیم اور امریکہ کی کانگریس لائبریری میں محفوظ کر

لیے گئے ہیں۔

پہلے نازل کی گئی کتب میں سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کے تذکرے سے متعلق محقق ڈاکٹر حمیداللہ نے ہندو مذہب کی مقدس کتب وید، پران، اپنشد وغیرہ پر بھی نظر ڈالی ہے۔ ان کے دس پرانوں میں سے ایک کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے اس کا اقتباس اس طرح بیان کیا ہے:

" آخری زمانے میں ریگستان کے علاقے میں ایک شخص پیدا ہوگا۔ اس کی ماں کا نام " قابل اعتماد" اور باپ کا نام " اللہ کا غلام" ہوگا وہ اپنے وطن سے شمال کی طرف جاکر بسنے پر مجبور ہوگا اور پھر وہ اپنے وطن کو دس ہزار آدمیوں کی مدد سے فتح کرے گا۔ جنگ میں اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے، اور وہ اونٹ اس قدر تیز رفتار ہوں گے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے۔۔۔ اس کتاب میں کچھ اس طرح کے الفاظ ہمیں ملتے ہیں جن سے ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو"۔ (۱۹)

اسی طرح زرتشتی مذہب کے حوالے سے انہوں نے ان کی مقدس کتاب اوستا کے متعلق کہا ہے:

" دنیا کی قدیم ترین دینی کتاب کو ہم اوستا کے نام سے جانتے ہیں لیکن وہ مکمل حالت میں ہم تک نہیں پہنچ سکی، یہاں ایک چیز کا میں ذکر کروں گا۔ اوستا میں دوسری باتوں کے علاوہ زرتشت کا یہ بیان ملتا ہے۔ میں نے دین کو مکمل نہیں کیا۔ میرے بعد ایک اور نبی آئے گا جو اس کی تکمیل کرے گا اور اس کا نام رحمۃ اللعلمین ہوگا۔ یعنی ساری کائنات کے لیے باعث رحمت"۔ (۲۰)

بہر کیف! سورہ الشعراء کی آیت وانہ لفی زبرالاولین میں مضمر اشارے کی تائید و تصدیق مذکورہ بالا اقتباسات سے بخوبی ہو جاتی ہے اور اس ذہنی و فکری اور علمی دھارے کے نشان بھی ذہن میں ابھرتے چلے جاتے ہیں جو روز ازل سے روز آخر کی جانب رواں دواں ہے۔

ذہنی و فکری اور علمی دھارا تو بنی نوع آدم کی سیرابی اور فیض یابی کے لیے منشائے الٰہی سے رواں دواں ہوا ہے۔ ہر دور میں ابن آدم اس سے استفادہ بھی کرتا رہا ہے۔ اس حقیقت کی جانب بھی قرآن حکیم میں ایک واضح اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے:

" ولکل امة رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط و ھم لا یظلمون"

(اور ہر امت کا ایک رسول ہوا ہے پھر جب ان کے ہاں رسول آ چکتا ہے تو ان کے درمیان فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے لمۃ[۲۱] کا ترجمہ " وقت" کیا ہے کہ ہر وقت کے لیے ایک پیام رساں ہوا ہے۔ نیز یہ بھی رقم کیا ہے کہ " امت سے مراد امت مکلّف ہے"۔ انہوں نے دیگر حوالے بھی دیئے ہیں۔ مولانا محمود الحسن[۲۲] نے لمۃ سے مراد "فرقہ" لیا ہے جبکہ مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیۃ مبارکہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: " قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی۔ فرد جرم لگائیں گے۔ گواہ پیش ہوں گے۔ ہر قوم کے ساتھ ان کے پیغمبر موجود ہوں گے۔ ان کے بیانات وغیرہ کے بعد نہایت انصاف سے فیصلہ ہوگا"۔ مسٹر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری[۲۳] نے لمۃ کا مفہوم قوم کے معنی میں لیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ " کرہ ارضی پر جہاں کہیں نسل آدم آباد تھی وہاں وحی کا نور اور ہدایت کی روشنی دے کر اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی نبی یا رسول کو ضرور مبعوث فرمایا"۔

مزید وضاحت اس آیت مبارکہ کی " وما کنا معذ بین حتی نبعث رسولا"[۲۴] کے مفہوم سے بھی ہو جاتی ہے۔ سورہ النحل میں تو یہ مفہوم اور بھی زیادہ واضح ملتا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے:

" ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت۔فمنھم من ھدی اللہ و منھم من حقت علیه الضللة ، فیسروا

فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین۔ (۲۵)

(اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان(کی راہ) سے بچو۔ سو ان میں وہ بھی ہوئے جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور وہ بھی جن پر گمراہی ثابت ہو کر رہی تو زمین پر چلو پھرو، پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا)۔

اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے وقت مولانا دریابادی(۲۶) نے لمۃ کو امت ہی رقم کیا ہے۔ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ (سو یہ توحید اور دین حق کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں شروع سے چلی آ رہی ہے) رسولاً۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ملک و قوم مستقلاً کوئی رسول ہی (اصطلاحی معنی میں) آیا ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم تک پیغمبر کی تعلیم پہنچ گئی ہو خواہ اس کے کسی نائب ہی کے ذریعہ سے۔ ہندوستان میں کوئی پیغمبر ہوئے یا نہیں؟ یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پیغمبر کی بعثت کا امکان تو بہر حال ہے۔ لیکن جزم و یقین کے ساتھ کسی صاحب کو پیغمبر قرار دے لینا، جب تک کہ ان کی پیغمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ مل جائے، زیادتی ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے جس بحث کی جانب اشارہ کیا ہے وہ یقیناً موضوع گفتگو سے مربوط تو رہی ہوگی۔ لیکن اس کی تفصیلات پر گفتگو مقصود نہیں۔ البتہ اس ضمن میں صاحب علم و دانش اور حامل عرفان خواجہ حسن نظامی کا ایک اقتباس دعوت فکر ہے۔ "کرشن جی" کے عنوان سے وہ رقم طراز ہوئے:

> "متھرا میں آدھی رات کو نکلنے والا چاند، گوکل میں گوں اور بے زبانوں کا نگہبان، بندر بن میں تلوار کھینچ کر کنس پر چڑھ جانے والا خدائی بہادر، من موہن، حسن یزدانی کی مورت، رب العلمین جگ داتا کی رحمت عالم کا سبق پڑھانے والا، ہندوستان کا سب سے بڑا محبوب، سب سے زیادہ پیارا کرشن کنہیا۔ اس کی بانسری کی کوک آج تک سنائی دیتی ہے۔ کان ہو تو سنو۔ اس کے معجزانہ کرشمے اب بھی نظر آتے ہیں۔ آنکھ ہو تو دیکھو۔ اس کا کلام گیتا میں پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کی نمود کو پڑھیئے کہ ہر زیست کی نمود و سلامتی کا

سبق اس میں ہے"۔(۲۷)

کرشن جی ہوں یا ایران کے زرتشت یا ان کی طرح کے دوسری اقوام میں ہونے والے دیگر افراد، ان میں سے کسی کو نبی یا رسول قرار دینا تو یقیناً زیادتی ہو سکتی ہے۔ ہم تو ظاہر ہے کہ انہی کو نبی یا رسول تسلیم کر سکتے ہیں جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں منشائے الٰہی کا مظہر ہوا۔ ہاں بہ اعتبار موضوع منشائے الٰہی کی شناخت ممکن ہے۔ احتیاط اس راہ میں بھی ضروری ہے لیکن احتیاط کا یہ مطلب بھی درست نہ ہوگا کہ دامن کوتاہی جگہ پا جائے۔ مضامین قرآن ہی رہبر و رہنما ہو سکتے ہیں اور ان میں مضمر اشارات کا مقصود بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو تو صاحبان علم اور حاملان عرفان ہی کا حق ہے۔ یہ ناچیز تو اپنی کم مائیگی علم کی بناء پر زبان کھولنے سے قاصر ہے۔

کرشن جی کے حوالے سے برصغیر کے ایک معروف دانشور پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے تخیلات بھی صاحبان علم و دانش کے لیے دلچسپ اور پرکشش ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

> " میری تعلیم شروع سے کچھ ایسی رہی ہے کہ اسلامیات سے متعلق کتابیں پڑھنے کا موقع مجھے زیادہ ملا۔ بعض مسائل میرے مطالعے کی راہ میں ایسے آئے کہ مختلف مذاہب کی کتابوں کا اور مختلف بانیان مذاہب کے اقوال زریں کا مطالعہ میرے لیے ناگزیر ہوگیا۔ مثلاً مسئلہ خیر و شر، مسئلہ عقل و عشق، مسئلہ زمان و مکاں ایسے مسائل ہیں جن کو سمجھنے کے لیے یا جن کو سمجھنے کی کوشش میں اکثر مذاہب کا مطالعہ میرے لیے ضروری ہوگیا اور میں نے اس سفر میں ہر قدم پر یہ محسوس کیا کہ ہر مذہب کا مطالعہ میرے علم میں اضافہ کر رہا ہے۔ اور مجھ پر فکر و نظر کے نئے نئے دروازے کھول رہا ہے۔ میں اسی مطالعے کے دوران گائتری منتر اور سورہ فاتحہ میں مماثلت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ عمل اور نتیجہ عمل یا زندگی اور موت کے متعلق سری کرشن اور رسول اکرم ﷺ کے افکار کی باہمی قربت میرے لیے ایک ایسا انکشاف تھا جس سے دونوں مذاہب کا مطالعہ کیے بغیر میں آگاہ نہیں ہو سکتا تھا"۔(۲۸)

زرتشت سے متعلق ڈاکٹر حمید اللہ کے افکار بھی موضوع گفتگو سے مربوط ہیں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا:

"اسی طرح بعض ایسے انسان بھی ہیں جن کو صراحت کے ساتھ نبی تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان کی نبوت کے امکان کو رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے ایک شخصیت زرتشت کی ہے۔ پارسی انہیں اپنا نبی مانتے ہیں۔ ان کی نبوت کا امکان اس بناء پر بھی ہے کہ قرآن مجید میں مجوس قوم کا ذکر آیا ہے۔ مجوسیوں کا مذہب زرتشت کی لائی ہوئی کتاب "اوستا" پر مبنی ہے۔ اوستا کے متعلق ہمارے پاس کچھ معلومات پہنچی ہیں۔ جب ہم اس کا قرآن مجید سے موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کس کو کیا برتری حاصل ہے"۔ (۲۹)

ختمی مرتبت افضل الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے حوالے سے "اوستا" کا ایک اقتباس پہلے ہی دعوت فکر ہو چکا ہے۔

بہر کیف! مذکورہ قرآنی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا قطعی درست معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے کرہ ارض پر بسنے والی تمام قوموں میں خواہ وہ باقی رہیں یا نہیں، اپنے رسول بھیجے اور انہوں نے اس کے پیغام کو ان میں عام کیا۔ بعدہ اس کا وہی پیغام بدرجہ کمال قرآن معظم میں مرکوز ہوا۔ سورہ المائدہ میں ارشاد ہو رہا ہے:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"۔ (۳۰)

اس آیہ مبارکہ میں تکمیل دین کے ساتھ اتمام نعمت کا اشارہ بھی دعوت فکر ہوتا ہے۔ ہمارے مفسرین نے "دین" اور "نعمت" کی نسبت سے دونوں کے جداگانہ معنی و مفہوم ضرور لیے ہیں لیکن نعمت کی تخصیص میں قدرے اختلاف ہے۔ اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں چونکہ ہر نعمت علم ہی سے عبارت ہوئی ہے۔ بات قابل غور یہ ہوتی ہے کہ دین بھی علم ہی سے عبارت ہوا جس طرح نعمت۔ لیکن ایک کے لیے اکملتُ کہا گیا اور دوسرے کے لیے اتممتُ۔ اس طرح دین اور نعمت کا فرق سامنے آتا ہے۔ علمی اعتبار سے دین کی تکمیل کا مفہوم بھی واضح ہے کہ سرور کائنات ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام

پر نزول وحی ختم ہوتے ہی دین کی تکمیل کر دی گئی لہذا دین سے متعلق علم بھی مکمل ہوا۔ لیکن اتمام نعمت میں یہ مفہوم نہیں ملتا۔

دین اور نعمت پر مزید گفتگو کرنے سے قبل وحی کیے گئے علم کی حقیقت پر بھی نظر ڈالیں۔ ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام پر پہلی وحی میں ارشاد ہو رہا ہے:

علم الانسان مالم يعلم(۳۱)

اس آیۂ مبارکہ میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ انسان کو وہ علم دیا جا رہا ہے جو وہ نہیں جانتا۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی(۳۲) اس ضمن میں رقم طراز ہوئے" مالم يعلم" سے مراد بعض نے وہ قواعد علمی لیے ہیں جن سے ہر مجہول معلوم بن سکتا ہے، اور بعض نے وہ اسرار و علوم نبوت مراد لیے ہیں جن کے لیے عقل و حواس بشری کافی نہ تھے صرف حق تعالیٰ نے انہیں رسول پر وحی کر کے سارے انسانوں تک پہنچا دیئے"۔

معالم و خازن کے حوالے سے مولانا مولوی سیّد محمد نعیم الدین صاحب نے لکھا ہے کہ "آدمی سے مراد یہاں حضرت آدم ہیں اور جو انہیں سکھایا اس سے مراد علم اسماء اور ایک قول یہ ہے کہ انسان سے مراد یہاں سیّد عالم ﷺ ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جمیع اشیاء کے علوم عطا فرمائے"۔(۳۳)

علم کے حوالے سے محاورہ قرآنی الجاھلیۃ کا مفہوم اس حقیقت کا مظہر معلوم ہوتا ہے کہ الصادق الامین سیّد المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بعثت سے قبل لوگ علم سے محروم تھے یا علم سے دور جا چکے تھے۔ اس کی مزید وضاحت بھی قرآن حکیم میں فرما دی گئی۔ ارشاد ہوا:

"الرٰ۔ کتٰب انزلنٰه اليك لتخرج النّاس من الظلمٰت الى النّور" (۳٤)

(الف لام را۔ یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لائیں)

مذکورہ آیت مبارکہ سے مجموعی تاثر یہ ملتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اشرف الانبیاء ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت سے قبل زمانے کو تاریک عہد(Dark age)

قرار دے رہا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس عہد میں نہ دین کی روشنی جو وقتاً فوقتاً نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ پھیلتی رہی تھی، باقی رہی تھی اور نہ انسان ان نعمتوں کے متعلق کوئی علم رکھتا تھا جن کا سلسلہ آپ کی بعثت کے ساتھ شروع ہوا اور بحمدللہ جاری چلا آرہا ہے۔ نعمتیں خواہ کسی بھی مقام پر اور کسی کی بھی کاوشوں سے ظہور پائیں، آتی تو اسی منعم حقیقی کی طرف سے ہیں جو خلاق موجودات ہے۔ لہذا خداوند قدوس کو جب علم ہیئت اکمل میں دینا مقصود ہوا تو جتا دیا گیا کہ یہی وہ علم ہے جسے تم نہیں جانتے تاکہ اس کی قدر و قیمت سے بندگان الٰہی آگاہ ہو جائیں۔ اس طرح جب دین نے تکمیل پائی تو اس سے متعلق علم بھی کمال پا گیا۔ لیکن نعمتوں نے کمال نہ پایا، ان کی جانب تو اشارہ ہی ہوا۔ لہذا متعلقہ علم ان پر حجت قرار پایا۔ چونکہ انسان اپنی تخلیق کے اعتبار سے تحصیل نعمت کے لیے عقل و فکر کا مکلف بھی ہے۔ دین اور نعمت کے حوالے سے جب سورہ المائدہ کی مذکورہ آیت پر غور کرتے ہیں تو علم کی دو جہتوں(۳۵) پر نظر جاتی ہے۔ اوّلین جہت حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت کاملہ کی مظہر ہے۔ وہ تمام مضامین قرآن جو ذات واحد اور اس کی صفات، سلسلہ نبوت اور مقام ختمی مرتبتؐ، معاد اور روز قیامت کے آئینہ دار ہیں اپنی قطعی ہیئت میں بیان ہوئے یا ان کی ہیئت قطعی وضاحت کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے اقوال جمیل میں مرکوز ہوئی۔ اور یہی وہ علمی جہت ہے۔ جو بعنوان دین مقام اکمل سے نوازی گئی ہے۔

علم کی دوسری جہت جسے تممت علیکم کے ساتھ نعمت قرار دیا گیا ہے نہ صرف پوری کائنات پر محیط ہے بلکہ انسان کی اپنی ذات پر بھی ۔ مضامین قرآن میں اس جہت کی طرف اشارے انتہائی جامعیت کے ساتھ دعوت فکر ہوتے ہیں۔ سورہ النحل میں ارشاد ہو رہا ہے :

"وسخر لکم الیل والنھار والشمس والقمر۔ والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالك لایت لقوم یعقلون۔"(۳۶)

(اور اسی نے تمہارے لیے مسخر کیا ہے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو اور ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ بے شک ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے رہتے ہیں)

اس آیہ مبارکہ کے بعد کی آیات میں ان چیزوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں اور تسخیر بحر کی جانب بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ چند آیات اپنی معنویت کے اعتبار سے نہ جانے کتنے علوم پر محیط نظر آتی ہیں۔ ان علوم کو فلکیات کے ساتھ منسوب کیا گیا یا نجوم کے ساتھ ان کو ہم فنی علوم کہیں یا سائنسی علوم۔ یہ تمام تر اصطلاحیں ہماری اپنی ساختہ ہیں جو انسان نے اپنی سہولت کے لیے تراشی ہیں۔ ان سب میں علمی دھارا تو وہی نعمت عظمیٰ ہے جو بارگاہ ربوبیت سے بنی نوع آدم کے استفادے کے لیے جاری ہوا ہے۔ انسان اس سے سیراب ہوتا آیا ہے۔ آج اس کی فکر رسا اسے زہرہ اور مریخ کی راہ دکھا رہی ہے۔ تسخیر کائنات کے وہ تمام حقائق جو ظاہر ہو چکے ہیں یا ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اتممت علیکم نعمتی " کی تفسیر ہی کہے جا سکتے ہیں اور یہی اشارہ علم الانسان مالم یعلم میں مضمر نظر آتا ہے۔ انسان نے انہی اشاروں سے وقت کے ساتھ ساتھ رہبری و راہنمائی پائی ہے۔ اپنی سوچ اور فکر کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوا ہے اور سرفراز ہوتا رہے گا۔

کائنات کے علوم آج ملت مسلمہ کے لیے اجنبی ضرور بنے ہوئے ہیں۔ لیکن ماضی کے اوراق کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔ واصل بن عطا(م ۱۳۱ھ)، جابر بن حیان(۱۶۱ھ)، ابن سینا(۴۲۸ھ) وغیرہ نے کسی غیر مسلم درس گاہ سے فیض نہیں پایا تھا۔ قرآن معظم کی آیات اور اس کے مضامین ہی ان کے رہبر و رہنما ہوئے ہوں گے۔ اس ضمن میں بھی راقم السطور کا علم قطعی محدود ہے۔ لیکن اس حقیقت سے تو ہم سب ہی آگاہ ہیں کہ ہمارے مذکورہ اور دیگر سائنس داں آج کی مغربی دنیا یں علمی اعتبار سے بڑی قدر و منزلت کے حامل ہیں۔

علوم کائنات کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات اور واقعات میں دعوت فکر ہوا۔ آپ[۴۷] کو اطلاع دی گئی کہ فلاں شخص، جو صاحب علم ہے، اس بات کا مدعی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بندہ تو خود ہی محیط ہے وہ اس ذات کو کیونکر دیکھ سکتا ہے جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

آپ نے اس شخص کو طلب کیا۔ علیحدگی میں اس کے ساتھ آپ کی گفتگو ہوئی۔ اس کی تفصیل تو بیان نہیں کی گئی۔ ہاں آپ نے لوگوں کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ " درحقیقت اس شخص نے حق سبحانہ تعالیٰ کو اپنی بصارت سے نہیں بلکہ بصیرت سے دیکھا تھا۔ ہر دو کے درمیان جو برزخ ہے اس میں اس وقت ایک سوراخ ہو گیا جس کو وہ شناخت نہ کر سکا۔

حضرت شیخ کے ان الفاظ پر غور کیا تو بصارت اور بصیرت فضا میں دو دھاروں کی مانند معلوم ہوئے۔ جن کے درمیان آپ نے برزخ کی نشاندہی کی۔ یہ آپ کا علم تھا یا کشف، اس ضمن میں کچھ کہنا دشوار ہی ہے۔ ہاں عصر حاضر کی تحقیقات اور دریافت میں یہ بات بڑی واضح نظر آئی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر چینل بدلتے ہی دور دراز کے مقام سے آنے والی نہ صرف صدائیں، بلکہ مناظر اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہی نظر آتے ہیں۔ ان سب کو ہم تک پہنچانے والی وہ نوری لہری ہوتی ہیں جو تخلیق کائنات کا حصہ ہیں۔ ان کو دریافت انسان نے ضرور کیا ہے لیکن ان کا خالق تو خداوند قدس ہی ہے۔ اگر دہریے اسے نیچر سے تعبیر کرتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات بھی نہیں چونکہ ان کا انحصار عقل پر ہوتا ہے جو خود محیط ہے تو خالق کی شناخت تو ان کے لیے بعید از عقل رہی ہے اور رہے گی۔ بہر حال ان نوری لہروں میں پروگرام ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتے حالانکہ وہ ایک ہی فضا میں بہتی ہیں یا سفر کرتی ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ان لہروں کے درمیان فطری طور پر کوئی آڑ برقرار رہتی ہے چونکہ اس نظام کا خالق تو خلاق موجودات ہی ہے۔ اس کا مدعی کوئی انسان ہوا بھی نہیں۔ اس نظام کے حوالے سے جب مرج البحرین یلتقین۔ بینهما برزخ لا یبغین(۳۸) کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ آیات اسی نظام فطرت کی جانب اشارہ کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ ہم تو اس کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اگر مترجمین قرآن نے بحرین سے مراد سمندر اور دریا لیے ہیں تو وہ ان کے مشاہدے کی بناء پر ہیں۔ بعض نے زیر زمین دھاروں کی جانب بھی توجہ دلائی ہے اور بعض اصفیا نے اسے بحر روح اور بحر نفس سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اپنی اپنی فہم کے اعتبار سے سب ہی صحیح ہو سکتے ہیں۔ مغربی مفکرین کی تعبیر یا سائنس دانوں کی تحقیق نے انھیں Channel کا نام دیا ہے

جو سمندر اور بہتے ہوئے دھاروں کے معنی میں مستعمل ہے اور ذریعہ مواصلات کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے سگنل کو بھی کہا جاتا ہے جو نوری لہروں کے ذریعہ بغیر کسی مداخلت کے ایک مقام سے دوسرے مقام سفر کرتا ہے۔ بہر کیف! ان سب میں مشترک وہی نظام فطرت ہے جس کی نشاندہی سورہ رحمٰن کی مذکورہ آیات میں ہو رہی ہے۔ یہ بھی مضامین قرآن میں شامل ہیں اور ان میں بیان کردہ نظام پوری کائنات پر محیط معلوم ہوتا ہے۔

علوم کائنات کے حوالے سے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیات بھی دعوت فکر ہوتی ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے:

"وکل انسان الزمنه طٰئره فی عنقه و نخرج له یوم القیمة کتٰبا یلقه منشورا"(۳۹)

(اور ہر انسان کا عمل ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے اور اس کے واسطے قیامت کے دن ہم نامہ اعمال سامنے نکال کر سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا)

عصر جدید کے سائنس دانوں میں آئن اسٹائن کو بڑا مقام حاصل ہے۔ بتلایا گیا ہے کہ اس نے نظریہ اضافت اور نظریہ کشش ثقل پر عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ ہر دو کا تعلق روشنی سے ہے۔ اسی صدی کے دوران برصغیر میں سرشاہ محمد سلیمان گذرے ہیں۔ یوں تو وہ الہ آباد ہائی کورٹ میں جج بھی رہے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر بھی ہوئے۔ لیکن ان کا اصل مقام بطور سائنس داں معروف ہوا۔ انہوں نے آئن اسٹائن (Einstein) کی مشہور تھیوری نظریہ اضافت پر تنقید کرتے ہوئے کوئی ترمیم بھی تجویز کی تھی۔ اس کے نظریہ کشش ثقل پر بھی کام کیا اور ثابت کیا کہ کشش ثقل کے اثرات لامحدود رفتار سے نہیں بڑھتے جیسا کہ نیوٹن نے کہا تھا بلکہ وہ روشنی کی رفتار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ روشنی کے بارے میں سرشاہ سلیمان کا نظریہ تھا کہ یہ مثبت (Positive) اور منفی(Negative) اجزاء پر مشتمل ہے اور یہ دونوں اجزا ایک دوسرے کے گرد چکر لگا رہے ہیں جس کے نتیجے میں روشنی آگے سفر کرتی ہے۔ اس کو سرشاہ سلیمان نے نظریہ گردش نور کا نام دیا تھا۔

آئن اسٹائن(Einstein) کے نظریات اور ان پر سرشاہ سلیمان کی تحقیقات کی بات تو پاکستان اکیڈمی آف سائنسز کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی جانیں جن کے حوالے سے مذکورہ گفتگو ہوئی ہے۔[۴۰] راقم السطور تو سائنس کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ ہاں سرشاہ محمد سلیمان کے منقولہ نظریہ گردش نور سے اور ان کی تحقیق کے مطابق روشنی کے مثبت اور منفی اجزاء کے وجود سے جو یقیناً کسی مادی وجود کے عمل سے ہی ہیئت اختیار کرتے ہوں گے، یہ بات ضرور فکر طلب ہوئی کہ ان اجزاء کا کیا کوئی تعلق انسان کے اعمال سے بھی ہو سکتا ہے جن کی بابت سورہ بنی اسرائیل کی درج بالا آیت میں اشارہ ہوا ہے جو ہر انسان کے گلے کا ہار بنے رہتے ہیں اور اس میں مثبت اور منفی اجزاء (خیر اور شر) ایک دوسرے کے گرد چکر لگا کر بندے کا نامہ اعمال رقم کرتے رہتے ہیں؟ نیز کیا اس رقم شدہ نامہ اعمال کا کوئی تعلق ولدینا کتٰب ینطق بالحق و ھم لا یظلمون[۴۱] کے مفہوم سے ہو سکتا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل اور سورہ المومنون کی مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں مضمر اشاروں پر گفتگو راقم السطور کے لیے ممکن نہیں جو نہ سائنس دان ہے اور نہ علم و فضیلت کا حامل۔ ہاں اشارے کو پانے کا ضرور قصور وار ہے۔ اس کی صحت اور عدم صحت پر گفتگو صاحبان علم کا ہی کام ہے۔

علوم کائنات کے ضمن میں ایک اور دلچسپ حقیقت کی جانب توجہ دلائے ہوئے گفتگو کے اختتام کی اجازت چاہوں گا۔ ہمارے حلقہ قادریہ کے ایک صاحب ہیں جناب امجد حسن صدیقی، انجینئر ہیں اور پاکستان انجینئرنگ کونسل کی منتظمہ کمیٹی کے منتخب رکن بھی ہیں۔ چند برس قبل امریکہ گئے تو ریاست فلوریڈا (Florida) کے شہر اور لانڈو (Orlando) بھی تشریف لے گئے۔ وہاں ایک ادارہ ہے Epcot centre اس میں مختلف شعبوں سے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں کہ امریکہ نے سائنسی تحقیقات کے حوالے سے کیا کیا تحقیقات کی ہیں اور ان سے کیا پایا ہے۔ ان میں سے ایک شعبہ ایسا بھی ہے کہ جس میں سائنسی تحقیقات کے حوالے سے بتایا جاتا ہے کہ انسان اکیسویں صدی میں کس طرح زندگی

گذارے گا اور ان کی سائنسی تحقیقات اس کے لیے کس طرح سودمند ہوں گی۔ اس ضمن میں وہ اسکرین پر فضا میں تیرتی یا چلتی ہوئی کاریں بھی دکھاتے ہیں اور خلا میں رہتے ہوئے انسان بھی۔ نیز کمنٹری کرتے ہوئے تفصیلات پر روشنی بھی ڈالتے ہیں۔ آخر میں کمنٹیٹر(Commentator) بلاتکلف اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ ہمارے اس علم کی بنیاد قرآن ہے۔ ہم نے اپنی سائنسی فتوحات کی ابتداء اسی کتاب سے کی ہے۔

مضامین قرآن میں مضمر اشارے کیا ملت مسلمہ کے لیے بھی اس کی عظمت گم گشتہ کو پانے کا سبب ہو سکتے ہیں؟ کیا قرآن معظم میں تمام کی گئی نعمتوں کی تحصیل اکیسویں صدی میں ہماری سرخروئی اور سرفرازی کے لیے ناگزیر ہے؟۔

ان سوالوں کا جواب تو مفکرین قرآن، حاملان عرفان اور حق بین و حق شناس سائنس دان ہی دے سکتے ہیں۔ راقم السطور تو اس ضمن میں ان کے درمیان ربط کا ہی متمنی اور آرزومند ہے۔ منزل مقصود کی جانب تو مربوط قدم ہی آگے بڑھا کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن ۲۶/۱۹۲

۲۔ القرآن ۱۰/۳۔۶/۵۹۔۶/۸۱۔۳۲/۵

۳۔ القرآن ۲۸/۵۱۔

۴۔ القرآن ۶/۵۰۔ ۲۸/۶۰۔۳۶/۶۸۔۲۳/۸۰

۵۔ القرآن ۲/۳۱

۶۔ القرآن ۱۴/۱

۷۔ القرآن ۲۶/۱۹۶

۸۔ مسند احمد بن حنبل ص ۱۷، حدیث نمبر ۲۱۴۳۸، جلد ۱۶۔ مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ

۹۔ خطبات بہاولپور ص ۳ (اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ۱۴۰۱ھ)

۱۰۔ قرآن مجید مترجم و محشی ص ۴۸۶(دارالتصنیف لمیٹڈ شاہراہ لیاقت صدر کراچی)

۱۱۔ ضیاء القرآن جلد سوم (ضیاء القرآن پبلیکشنز گنج بخش روڈ، لاہور۔ ۱۴۰۲ھ)
۱۲۔ پیدائش ب ۳۵ (۲ تا ۴) کتاب مقدس (پبلشر بائبل سوسائٹی، لاہور)
۱۳۔ زبور۔ پانچویں کتاب ۱۱۷۔ کتاب مقدس
۱۴۔ زبور پانچویں کتاب ۱۴۵۔ کتاب مقدس
۱۵۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیہ۔ علم کی حقیقت ص ۳۴ (گیلانی پبلشرز نوشین سینٹر، اردو بازار، کراچی)
۱۶۔ مرقس کی انجیل باب ۷۔ کتاب مقدس
۱۷۔ یوحنا کی انجیل باب ۱۶ کتاب مقدس۔
۱۸۔ دیباچہ ترجمہ قرآن انگریزی (جارج سیل) علم کی حقیقت ص ۳۴۔ الہامی فلسفہ علم ص ۲۰ ۱۲/۱ نوشین سینٹر اردو بازار، کراچی۔
۱۹۔ خطبات بہاولپور، ص ۴
۲۰۔ خطبات بہاولپور ص ۴
۲۱۔ القرآن الحکیم ترجمہ و تفسیر ۱۰/۷۴۔ ص ۴۴۳ جلد اوّل (تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔ کراچی)
۲۲۔ قرآن مجید مترجم و محشی ص ۲۷۶
۲۳۔ ضیاء القرآن جلد دوم ص ۳۰۳
۲۴۔ القرآن ۱۵/۱۷
۲۵۔ القرآن ۳۶/۱۶
۲۶۔ القرآن الحکیم ترجمہ و تفسیر ۳۶/۱۶۔ جلد اوّل ص ۵۵۵
۲۷۔ ہمہ زماں ہمہ زباں ص ۳۶۔ ادارہ فکر نو۔ کراچی، مولف نور احمد میرٹھی
۲۸۔ ہمہ زماں ہمہ زباں ص ۳۸
۲۹۔ خطبات بہاولپور ص ۴
۳۰۔ القرآن ۳/۵
۳۱۔ القرآن ۵/۹۶
۳۲۔ القرآن الحکیم ترجمہ و تفسیر مولانا عبدالماجد دریابادی
۳۳۔ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن المجدد احمد رضا اکیڈیمی۔ کراچی
۳۴۔ القرآن ۱/۱۴
۳۵۔ علم کی حقیقت ص ۲۸ (۱۲/۱۔ نوشین سینٹر، اردو بازار، کراچی)

۳۶۔ القرآن ۱۶/۱۲
۳۷۔ بہجۃ الاسرار و معدن الابرار ص ۳۴۸۔ تصنیف شیخ نور الدین الشطنونی فی الشافعی
(اردو ترجمہ۔ مطبوعہ بہجۃ الاسرار اللہ والے کی قومی دکان۔ لاہور)
۳۸۔ القرآن ۵۵/۱۹ تا ۲۰
۳۹۔ القرآن ۱۷/۱۳
۴۰۔ روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۹۷ء
۴۱۔ القرآن ۲۳/۶۲